سد باب ہو جائے گا۔

اب ہم ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ ملک میں جواب نئی صورتِ حال پیدا ہوئی ہے اور ملک نے از سرِ نو اپنے جواں سال وزیر اعظم کی قیادت میں جس خود اعتمادی اور ولولہ اور حوصلے کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف چلنا شروع کیا ہے مسلمانوں کو کھلے دل و دماغ سے ان سب چیزوں کا جائزہ لے کر اس کی با ہمہ وجوہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ملک کی تعمیر و ترقی میں دوسرے برادرانِ وطن سے مل کر مثبت اور مؤثر حصہ لیں۔ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا رویہ آزادی کے بعد سے اب تک بجائے مثبت کے منفی اور بجائے حقیقت پسندانہ کے جذباتی رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک مسلمانوں میں کوئی صحیح، تندرست اور فعال متحرک لیڈرشپ پیدا نہ ہوسکی۔ ان میں دسیوں پارٹیاں پیدا ہوئیں مگر ہر ایک اپنی ڈفلی اور اپنا راگ لے کر بیٹھ گئی اور کبھی تعمیری نقطۂ نظر سے یہ نہیں سوچا کہ قوموں کی قسمت ماتم سرائی اور نوحہ دگلہ مندی سے کبھی نہیں بدلتی بلکہ ایک مثبت اقدام سے بنتی ہے۔ اس جدید فضا میں ہماری رائے ہے کہ مسلمانانِ ہند کو اپنا ایک Convention منعقد کرنا چاہیئے جس میں وہ ملک کے اندرونی اور بیرونی حالات کا معروضی نقطۂ نظر سے کھلے دماغ سے جائزہ لیں اور مستقبل کے لئے ایک واضح اور روشن پروگرام مرتب کریں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یقین ہے کہ اس ملک میں ان کا مستقبل روشن ہوگا۔

میری طویل علالت کی خبریں پاکستان میں میرے بچوں کو برابر پہنچ رہی تھیں اور وہ لوگ سخت پریشان تھے کہ اب تک علالت کا سلسلہ کیوں جاری ہے اور اضافہ اور

صحت کے آثار و قرائن کیوں نہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ اس بنا پر انھوں نے یہ طے کیا کہ مجھ کو پاکستان آجانا چاہیے۔ چنانچہ میری بیٹی ان سب کی نمائندہ بن کر ۹ر جنوری ۱۹۸۵ء کو اچانک ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی سے علی گڑھ پہنچ گئی اور ۱۴ر جنوری کو خود میرے ایک نہایت قدیم وفادار اور مخلص Faculty of Theology کے پرانے دفتری میاں محمود بخش کو ساتھ لے کر نئی دہلی پہنچی اور تین چار گھنٹے ہی میں میرے visa اور دوسری ضروری کارروائیاں اور ہوائی جہاز میں میری سیٹ Reserve کرا کر شام کو علی گڑھ واپس آگئی اور بالآخر میں ۱۸ر جنوری کی شام کو ۸ PM سے بخیر و عافیت کراچی پہنچ گیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علاج و معالجہ، دوا دارو، راحت و آسائش اور دیکھ بھال کے جو اعلیٰ سے اعلیٰ انتظامات ہیں وہ سب بہمہ وجوہ میسر ہیں اور اب اس کا اثر یہ ہے کہ مرض کا اصل سبب جو علی گڑھ کے ڈاکٹروں کو معلوم نہیں ہو سکا تھا کراچی آنے کے دو دن بعد ہی مشین کے ذریعے آدھے گھنٹے میں بالکل صاف اور واضح طور پر معلوم ہو گیا اور اس رپورٹ کی روشنی میں کراچی کے دو نہایت مشہور اور نامور ڈاکٹروں نے علاج شروع کر دیا ہے۔ اس بنا پر اللہ کے فضل و کرم سے اب میری صحت نسبتاً کافی بہتر ہو گئی ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ طبیعت نے مکمل صحت کی منزل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا ہے۔ قارئین برہان اور احباب سے دعا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں حسب معمول ہمیشہ یاد رکھیں۔

عہد سلطنت کے فقہی لٹریچر کا ایک تنقیدی جائزہ

(۱)

جناب ظفرالاسلام صاحب، شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مذہبی علوم وفنون میں فقہ کو چند وجوہ سے ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اول یہ کہ اس کا تعلق زندگی کے مختلف النوع مسائل سے ہے، عبادات ہو یا معاملات، معاشرتی امور ہوں یا معاشی، ملکی مسائل ہوں یا بین الاقوامی یہ تمام موضوعات فقہ کے تحت زیر بحث آتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی رسائی تعبدی یا عائلی زندگی کے چند مخصوص مسائل تک محدود نہیں بلکہ یہ عملی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کو محیط ہے۔ اس فن کا دوسرا امتیازی پہلو یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اس کے بنیادی ماخذ ہیں۔ مزید براں علم فقہ کا یہ بھی ایک اختصاص ہے کہ یہ بذات خود دیگر علوم وفنون کی ترقی وتوسیع کا باعث بنا۔ علم فقہ کی داغ بیل اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور ہی میں پڑ چکی تھی لیکن اس کی نشوونما دوسری وتیسری صدی ہجری کی مرہون منت ہے۔ اسی عہد میں فقہ کے معروف مذاہب وجود میں آئے اور فقہاء مجتہدین نے فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین کا اہم کام انجام دیا۔ فقہ کی ترویج واشاعت کے لئے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف دونوں ذرائع اختیار کیے گئے۔ اہل علم اور

اصحاب فقہ کی کاوشوں کے نتیجہ میں دیگر علوم وفنون کے ساتھ علم فقہ بھی اسلامی دنیا میں پھلتا پھولتا رہا اور مقامی فقہاء کے رجحانات کے اعتبار سے مختلف علاقوں میں ——— مختلف مذاہب فقہ کو مقبولیت حاصل ہوئی مثلاً حجاز و یمن میں فقہ شافعی، نجد میں فقہ حنبلی، اندلس وشمالی افریقہ کے مغربی حصہ میں فقہ مالکی اور وسط ایشیا کے بیشتر ممالک۔ عراق، ماوراء النہر، آذربائیجان، افغانستان وغیرہ میں فقہ حنفی کو رواج ملا۔

وسط ایشیا میں منگولوں کی یورش نہ صرف سیاسی تباہ کاری کا باعث بلکہ علمی و ثقافتی زندگی کے لئے بھی ضرر رساں ثابت ہوئی۔ ان حالات میں ہندستان نے اس علاقہ کے اہل علم وفن کو اپنی جانب متوجہ کیا جہاں مسلم حکومت سلاطین دہلی کی قیادت میں اپنے قدم جما رہی تھی اور اسلامی تہذیب وتمدن کا ایک نیا مرکز تعمیر کر رہی تھی۔ سلاطین کی علم دوستی، معارف پروری اور فیاضی وفراخدلی کے باعث دہلی مختلف علوم وفنون کے ماہرین کے لئے ایک بہترین مرجع وماوی ثابت ہوا[1]۔ مشرق وسطی سے مسلمانوں کی آمد زیادہ تر خراسان و ماوراء النہر کے راستہ سے ہوئی اور وہ اپنے علوم وفنون کے ساتھ وارد ہند ہوئے جو ان کی سرزمین میں رائج ومقبول تھے۔

---

[1] منہاج السراج، طبقات ناصری، کابل، ۱۹۶۴ء، ص ۱۶۶، عصامی، فتوح السلاطین، مدراس ۱۹۴۸ء، ص ۱۱۳، ۱۱۵، ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۶۲ء، ص ۳۴۱، ۳۵۲، ۳۵۴، ابن بطوطہ، رحلہ، مطبعۃ الازہریہ، مصر، ۱۹۲۸ء، ص ۱۶، امیر خسرو، نہ سپہر، کلکتہ، ۱۹۴۸ء، ص ۱۴۳، مثنوی دولرانی خضرخاں، مطبوعہ علی گڈھ، ۱۹۱۷ء، ص ۴۶، ۴۷، شیخ نورالحق دہلوی، زبدۃ التواریخ، اوٹوگراف ص ۱۸ (مخطوطہ برٹش میوزیم) ریسرچ لائبریری شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ورق ۱۳۰ ب۔

دینی علوم کے جو ماہرین یہاں منتقل ہوئے ان میں اکثریت فقہار کی تھی۔ فقہی علوم ان کی توجہ کا خاص مرکز بنے اور اسی میدان میں ان کی صلاحیتیں نمایاں ہوئیں۔ ان کی سرگرمیوں کے نتیجہ میں علمی حلقوں میں فقہ کا رنگ ایسا غالب ہوا کہ فقہ و اصول فقہ کی تحصیل معیار فضیلت قرار پایا اور کسی کی صلاحیت ولیاقت جانچنے کے لیے فقہی علوم میں مہارت کو خاص اہمیت دی گئی۔ مزید براں یہ علم مذہبی عہدوں (مثلاً قاضی، محتسب ومفتی وغیرہ) اور سلطان سے تقرب کے حصول میں بھی مدد و معاون ثابت ہوتا تھا۔ ان تمام عوامل کی وجہ سے مذہبی علوم میں فقہ پر خاص توجہ دی گئی اور اس کے سیکھنے سکھانے کا رواج عام ہوا۔ مدارس کے نصاب میں فقہ واصول فقہ کو نمایاں مقام ملا[1]۔ مذاکرات وعلمی مجالس میں زیادہ تر فقہی مسائل موضوع بحث بنے اور تالیف وتصنیف کے میدان میں بھی فقہ علماء کا ایک پسندیدہ موضوع قرار پایا۔

فقہ اسلامی میں علماء وفضلاء کی غیر معمولی دلچسپی سے قطع نظر اس فن سے سلاطین و امراء کا لگاؤ بھی قابل ذکر ہے اس لئے کہ یہ بالواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طریقہ سے فقہی علوم کی ترویج وترقی کا سبب بنا۔ مذہبی علوم وفنون میں فقہ سے ان کی خاص مناسبت کی وجہ تھی۔ اس سرزمین (غزنین وغور) کے علمی ماحول کا اثر تھا جہاں سے یہ سلاطین اور ان کے رفقاء حکومت اصلاً تعلق رکھتے تھے۔ مزید براں اس تعلق کو استوار کرنے میں معاصر علماء (بالخصوص مقربین بارگاہ) کے ذاتی رجحانات اور ان کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت حکومت کے شعبوں میں قضا کو خاص

---

[1] سیرت فیروز شاہی، نقل (مخطوطہ اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور) مولانا آزاد لائبریری یونیورسٹی کلکشن، نمبر ۱۱۱، ص ۱۳۷، ابوالعباس القلقشندی، صبح الاعشی، مطبعہ امیریہ القاہرہ ۱۹۱۵ء، الجزء الخامس، ص ۶۱۔

حیثیت حاصل تھی اور اس شعبہ سے وہی علماء منسلک کیے جاتے تھے جو فقہ میں مہارت رکھتے تھے[۱] قاضیوں کے ساتھ مفتیوں کا تقرر بھی عمل میں آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی فقہی علوم سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ قاضیوں کو قانونی مشورہ بہم پہونچانے اور بعض مشکل مسائل میں فقہی نقطۂ نظر کی وضاحت کے علاوہ یہ سلاطین کو بھی وقتاً فوقتاً درپیش مسائل میں احکام شرعی سے روشناس کراتے تھے[۲] اس سے یہ معلوم ہوا کہ علماء کا وہ طبقہ جو انتظامیہ کا ایک جز تھا اور اس حیثیت سے سلطان سے باقاعدہ ربط ضبط رکھتا تھا۔ فقہی علوم میں شغف ودلچسپی رکھنے والا طبقہ تھا۔ اس کے کوئی معنی نہیں کہ یہ طبقہ دربار کے علمی ماحول اور خصوصی طور پر سلطان کی علمی دلچسپیوں پر اثر انداز نہ ہوا ہو۔ ماہرین فقہ سے اس خصوصی تعلق کے علاوہ سلاطین کے بارے میں تاریخی مآخذ میں یہ عمومی ذکر ملتا ہے کہ وہ سفر وحضر میں علماء کی صحبت کو پسند کرتے تھے اور ان کے مشوروں سے مستفید بھی ہوتے تھے[۳] اور بعض سلاطین کے بارے میں صراحۃً

---

[۱] برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۵۱-۳۵۲، ۳۸۰

[۲] برنی، ص ۴۹۷۔

[۳] حسن نظامی، تاج المآثر، مائکروفلم نمبر ۱۳۰۹ (مخطوطہ ببلیو تھک نیشنل) ریسرچ لائبریری، شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، طبقات ناصری، ص ۱۷۵، برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۶، ۴۷، ۱۱۱، ۱۱۲، ۲۹۰، ۲۹۶، ۴۴۱، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۵۸، ۵۵۹، یحیٰی سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ص ۱۱۵، ۱۱۶، شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۱ء، ص ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۰، فتوحات فیروز شاہی، علی گڈھ، ص ۹-۱۰۔ شہاب الدین العمری، مسالک الابصار (انگریزی ترجمہ اوٹو اسپیس) علی گڈھ ۱۹۴۳ء، ص ۳۷، ۳۸، ۵۱، ۵۲، صبح الاعشیٰ، ص ۹۵، ۹۶، رزق اللہ مشتاقی، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مذکور ہے کہ ان کے دسترخوان پر روزانہ سینکڑوں فقہار شریک ہوتے تھے اور اس موقعہ پر مختلف مسائل زیر بحث آتے تھے[1] معاصر مورخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلاطین اور اہل علم وفقہ کے تعلقات محض رسمی نوعیت کے نہیں تھے بلکہ سیاسی وسماجی معاملات میں ان سے وقتاً فوقتاً تبادلۂ خیالات بھی کرتے تھے اور اس دور کے بعض مخصوص مسائل میں شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت بھی ان سے طلب کرتے تھے۔ اس دور میں سلاطین وعلمار کے مابین مختلف مسائل پر بات چیت کی جو تفصیلات ملتی ہیں ان میں اہم وقابل ذکر ہندوؤں کی شرعی حیثیت، مال مغنومہ میں سلطان کا حصہ اور بیت المال میں سلطان اور اس کے اہل وعیال سے متعلق علاء الدین خلجی اور قاضی مغیث کا مکالمہ[2]۔ حدود شرعی کی بابت محمد بن تغلق اور ضیاء الدین برنی کے مابین بحث ومباحثہ[3] اور سماجی ومعاشی اصلاحات اور بعض گمراہ کن فرقوں کی سرگرمیوں کے سدباب کے لئے فیروز شاہ تغلق اور معاصر علمار کے درمیان مختلف مواقع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) واقعات مشتاقی، اوٹوگراف نمبر ۳ (مخطوطہ برٹش میوزیم) ریسرچ لائبریری شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ص ۴۹، زبدۃ التواریخ، محولہ بالا، ص ۲، احمد یادگار، تاریخ شاہی مبارک، کلکتہ، ۱۹۳۹ء، ص ۴۶۔

[1] برنی (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴) غیاث الدین تغلق کی بابت، القلقشندی (صبح الاعشیٰ ص ۹۵) محمد بن تغلق اور رزق اللہ مشتاقی (واقعات مشتاقی، ص ۴۹) سکندر لودی کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ یہ سلاطین ماہرین فقہ سے شاہی دسترخوان پر دینی وفقہی مسائل پر گفتگو کرتے تھے نیز دیکھئے تاج المآثر، ص ۳۶۶، فتوح السلاطین، ص ۲۱۴، برنی، ص ۲۱۱، ۲۱۲۔

[2] برنی، ص ۲۹۰، ۲۹۶۔

[3] برنی، ص ۵۱۰، ۵۱۱۔

ہتبادلۂ خیال وغیرہ [۱]

فقہی مسائل اور ان کی تحقیق سے سلاطین کی دلچسپی اس امر سے بھی واضح ہے کہ قاضیوں، مفتیوں اور علماء سے انفرادی طور پر استفسار کرنے کے علاوہ بعض اہم مختلف فیہ مسائل میں علماء کی مجموعی رائے جاننے کے لئے باقاعدہ علمی مذاکرے اور بحث و مباحثہ کی مجلسیں منعقد کراتے تھے جن کے لئے اس وقت محضر کی اصطلاح رائج تھی۔ عہد سلطنت میں اس طرح کے محضر کا متعدد بار منعقد ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔[۲] سلطان التتمش اور غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں جو محضر بلایا گیا تھا اس کا موضوع بحث شریعت کی روشنی میں سماع کی حیثیت کا تعین تھا۔[۳] سلطان جلال الدین خلجی نے سیدی مولا کے خلاف بغاوت کے الزام کی تحقیق اور اس پر شرعی فیصلہ کے لئے محضر طلب کیا تھا۔[۴] فیروز شاہ تغلق کے دور میں بعض امراء کی جانب سے ایک دوسرے شخص کو سلطان بنانے کی کوشش پر تخت نشینی کے مسئلہ پر غور کرنے[۵] بر ہمنوں پر جزیہ

۱۔ فتوحات فیروز شاہی ص ۵، ۷، ۹، عفیف ص ۱۲۹، ۱۳۲، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۸۳۔

۲۔ محضر میں شرکت کے لئے ملک کے مختلف اطراف بالخصوص دہلی کے ممتاز و نامور علماء کو دعوت دی جاتی تھی اور کسی ایک عالم کو حکم یا صدر مجلس کے طور پر مقرر کیا جاتا تھا۔

۳۔ فتوح السلاطین، ص ۱۱۸-۱۱۹، سید محمد کرمانی، سیر الاولیاء، مرکز تحقیقات فارسی، لاہور، ص ۵۳۷، ۵۳۹۔

۴۔ یحییٰ بن احمد سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ص ۶۵-۶۷، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۹۳ھ، ص ۴۳۔

۵۔ عفیف، تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۲۱، ۱۲۲، نظام الدین بخشی، طبقات اکبری، نولکشور ۱۸۷۹ء، ص ۱۱۳۔

عائد کرنے،[1] "حق شرب" کے نام سے ایک نیا محصول لگانے،[2] گمراہ فرقوں کے خلاف شریعت کی روشنی میں اقدام کرنے[3] ارتداد کے بعض مقدمات کا تصفیہ کرنے اور سماجی و معاشی اصلاحات پر غور و فکر کے لئے متعدد بار علماء کی مجلسیں منعقد کی گئی تھیں۔[4] سکندر لودی نے اپنی شہزادگی اور سلطنت کے دوران دو بار محضر طلب کیا تھا۔ پہلی دفعہ کروکشیتر کے ایک کنڈ ختم کرنے کا مسئلہ زیر بحث آیا جہاں مختلف علاقوں سے کفار جمع ہوتے تھے اور کچھ مذہبی رسوم انجام دیتے تھے۔[5] دوسری دفعہ ارتداد کا ایک مسئلہ موضوع بحث تھا۔[6]

سلاطین کے استفسار کے بغیر علماء اپنے طور پر بھی انھیں احکام شرعی سے واقف کراتے تھے بالخصوص ان امور میں جہاں انھیں شریعت کی خلاف ورزی نظر آتی اور بعض مشائخ اپنے پند و نصائح میں درباری ماحول، شاہی زندگی اور نظم و نسق میں رائج غیر اسلامی اعمال و رسوم کی نشاندہی اور شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت پر خاص زور دیتے تھے۔ عہد التتمش کے مشہور عالم سید نور الدین مبارک غزنوی نے اپنے ایک وعظ میں سلطان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی کہ درباری زندگی میں خورد و نوش

۱۔ عفیف، تاریخ فیروز شاہی، ص ۲۸۲، ۳۸۳۔

۲۔ عفیف، محولہ بالا، ۱۲۹۔ ۱۳۰۔

۳۔ فتوحات فیروز شاہی، ص ۷-۹

۴۔ عفیف، ۳۷۹ - ۳۸۲۔

۵۔ عبداللہ داؤدی، تاریخ داؤدی (تصحیح پروفیسر عبدالرشید) مطبوعہ علی گڑھ، ص [illegible]

تاریخ شاہی، ص [illegible]-۳۱۔

۶۔ تاریخ داؤدی، ص ۵۹-۶۰، طبقات اکبری، ص [illegible]، ۱۳۳۔

اور نشست و برخاست کے جو طریقے رائج ہیں اور شاہی آداب بجا لانے کے لئے پا بوسی جیسی جو رسمیں معمول بہ[۱] ہیں وہ غیر اسلامی ہیں[۱]۔ سلطان جلال الدین خلجی نے جب سیدی مولا اور ان کے مصاحبین کے خلاف بغاوت کے الزام کی صحت و عدم صحت کو آگ کے ذریعہ جانچنا چاہا تو معاصر علماء نے اسے خلاف شریعت قرار دیا، اس وضاحت کے بعد سلطان نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا[۲]۔ محمد بن تغلق نے ایک بار قحط کے زمانہ میں لوگوں کو دہلی کے باہر کاشت کرنے اور شاہی گودام میں غلہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ ایک معاصر عالم مولانا عفیف کاشانی نے اس اسکیم سے اختلاف ظاہر کیا[۳]۔ متعلقہ ماخذ میں صراحۃً اس کی کوئی وجہ مذکور نہیں۔ غالباً اسے "جبری زراعت" تصور کرتے ہوئے اس پر اعتراض کیا گیا ہوگا۔ عہد تغلق کے معروف عالم اور سہروردی سلسلہ کے مشہور بزرگ سید جلال الدین بخاری (معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت) نے آتشبازی جیسی غیر اسلامی رسموں کو ہدف تنقید بنایا تھا جو اس دور میں شب برات کے موقعہ پر عوام کے علاوہ حکومت کے زیر اہتمام بھی انجام پذیر ہوتی تھیں[۴]۔ سید جلال نے ان ٹیکسوں کے خلاف بھی اظہار کیا جو شریعت کے متعینہ محاصل میں شامل نہیں تھے

۱۔ برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۱، سید مبارک غزنوی کے حالات کے لئے ملاحظہ کیجئے: اخبار الاخیار ص ۳۲-۳۳۔

۲۔ برنی، محولہ بالا، ص ۲۱۱۔

۳۔ رحلہ ابن بطوطہ، الجزء الثانی، ص ۵۹۔

۴۔ سراج الہدایہ (ملفوظات سید جلال الدین بخاری) مرتبہ قاضی سجاد حسین، انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء ص ۱۱۱، ۱۱۲۔